مسائل و احکام ـــــ سحری و افطاری

تحریر: محمد منیر قمر سیالکوٹی ○ ترجمان سپریم کورٹ الخبر سعودی عرب

سحری کے مسائل

روزہ کی نیت

ہر شرعی کام کے لئے نیت ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری جیسی بلند پایہ کتاب میں ارشاد نبوی ہے:

انما الاعمال بالنیات (بخاری مع الفتح ۱ / ۹)

عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اور روزہ بھی چونکہ ایک دینی فریضہ ہے اور اس کے لئے بھی نیت ضروری ہے۔ چنانچہ ابوداؤد' ترمذی 'نسائی' طحاوی' دار قطنی' دارمی' ابن خزیمہ' ابن حبان اور مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے:

من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له (الارواء ۴ / ۲۵ مشکوٰة ۱ / ۶۲۰ الفتح الربانی ۹ / ۲۷۵' ۲۷۶ دارقطنی ۱ / ۲ / ۱۷۲ طبع نشر السنه ملتان)

جس شخص نے فجر سے پہلے روزے کی نیت اور پختہ ارادہ نہ کیا اس کا کوئی روزہ نہیں۔

معانی الاثار طحاوی میں "یجمع" کی بجائے "یبیت" ہے جبکہ معنی و مفہوم دونوں کا ایک ہی بنتا ہے۔

اور ابن ماجہ و دار قطنی اور ابن ابی شیبہ میں ہے:

لا صیام لمن لم یفرضه من اللیل (الارواء ۴ / ۲۷ والتلخیص الحبیر ۲ / ۱۸۸ دارقطنی ۱ / ۲ / ۱۷۲)

اس شخص کا کوئی روزہ نہیں جو رات کو اس کا پختہ ارادہ و نیت نہ کرے

ان اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث سے رات کے وقت یا قبل از فجر روزے کی نیت کر لینے کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نیت کیا ہے؟ نیت محض دل کا قصد و ارادہ ہے۔ اور اسے زبان سے ادا کرنا (تلفظ) ثابت نہیں ہے خصوصا نماز روزہ اور غسل و وضو کی نیت زبان سے کرنا نبی اکرم ﷺ، خلفاء راشدین اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام و ائمہ عظام میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔ البتہ حج و قربانی اور عمرہ کی نیت کا تلفظ (زبان سے ادا کرنا) ثابت ہے جیسے کہ ایک حدیث میں ہے۔

اللھم لبیک عن شبرمۃ

اے اللہ! میں شبرمہ کی طرف سے حج کے لئے حاضر ہوا ہوں

بسم اللہ اللہ اکبر عنی و عن فلاں

والی حدیث بھی ہے۔ کہ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ اور تو سب سے بڑا ہے۔ یہ قربانی میری طرف سے اور فلاں کی طرف سے قبول فرما۔

(فتاوی علماء حدیث ۶ / ۹۴-۹۵)

جن اعمال کے لئے زبانی نیت ثابت ہے ان کی نیت تو زبان سے کی جا سکتی ہے جبکہ جن کی ثابت نہیں ہے ان کی نیت زبان سے کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ اور اتباع سنت و اطاعت رسول ﷺ یہی ہے کہ جہاں آپ نے کچھ کیا وہاں آپ بھی کریں اور جہاں آپ نے کچھ نہیں کیا وہاں آپ بھی کچھ نہ کریں۔

۲۔ مروجہ نیت

یہ جو پاکٹ سائز نماز کی کاپیوں اور ہمارے ممالک میں شائع ہونے والے اوقات سحری و افطاری کے تجارتی ایڈورٹائزنگ کیلنڈروں اور بعض عام سی کتابوں میں روزہ رکھنے کی نیت لکھی ہوتی ہے:

و بصوم غد نویت من شہر رمضان

"کہ میں نے کل کے رمضان کے روزے کی نیت کی"

یہ الفاظ نبی اکرم ﷺ نے نہ خود کہے اور نہ تعلیم فرمائے' یہ نہ خلفاء و صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اور نہ ہی تابعین و ائمہ رحمہم اللہ میں سے کسی سے ثابت ہیں۔ کتب حدیث و فقہ کا سارا ذخیرہ چھان ماریں یہ الفاظ کہیں نہیں ملیں گے اور جن بعض عام سی کتابوں میں ملیں گے ان میں قطعا بے سند مذکور ہوں گے۔ معلوم نہیں کہ یہ الفاظ کس نے جوڑ دیئے ہیں' ویسے اگر تھوڑے سے غور و فکر سے کام لیا جائے تو خود ان الفاظ میں ہی ان کے جعلی و من گھڑت ہونے کی دلیل موجود ہے۔ مثلاً طلوع صبح صادق کے وقت اذان فجر سے تھوڑا پہلے سحری کھانے سے قبل یہ کہتا ہے کہ "میں نے کل کے روزہ کی نیت کی" تو اس کا قول واقعہ اور حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ فجر تو ہو چکی ہے اور یہ روزہ جس کی وہ سحری کھانے لگا ہے کل کا نہیں بلکہ آج کا ہے۔ لہٰذا یہاں " بصوم الیوم" جیسے الفاظ ہونے چاہیں تھے کہ میں نے آج کے روزہ کی نیت کی۔ کیونکہ کتب لغت میں "غدا" کے معنی لکھا ہے " آئندہ کل یا وہ دن جس کا انتظار ہے یعنی قیامت کے دن کا جیسا کہ سورہ حشر آیت ۱۸ میں ارشاد الٰہی ہے:

ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ

اور چاہیے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ کل کے لئے اس نے آگے کیا بھیجا ہے۔

اور سورۃ قمر آیت ۲۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سیعلمون غدا من الکذاب الاشر

اب جان لیں گے کہ کل کو کون ہے جھوٹا بڑائی مارنے والا۔

ان دونوں مقامات پر غد سے مراد قیامت کا دن ہے جسے عام طور پر کل کہا جاتا ہے۔

جبکہ سورۃ یوسف آیت ۱۲ میں ارشاد ہے:

ارسله معنا غدا یرتع و یلعب

آپ اس (یوسف علیہ السلام) کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ خوب کھائے اور کھیلے۔

اور سورہ کہف کی آیت ۲۳ میں ہے:

و لا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ

اور کسی کام کے بارے میں یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں یہ کل کروں گا الا یہ کہ (ساتھ ہی) ان شاء اللہ (بھی کہیے کہ اگر اللہ نے چاہا تو)

اور سورۃ لقمان آیت ۳۴ میں ارشاد ربانی ہے:

و ما تدری نفس ماذا تکسب غدا

اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟

ان موخر الذکر تینوں مقامات پر اس لفظ "غد" کا معنی آئندہ کل ہی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ انہی پانچ مقامات پر وارد ہوا ہے۔ جن میں سے پہلے دو کا معنی روز قیامت اور آخری تین کا معنی آئندہ کل ہے۔

نیت کے مروجہ الفاظ ترتیب دینے والے شخص کے ذہن میں معلوم نہیں کل کے روزے کا تصور تھا یا قیامت کے روزے کا۔ غدو یا غداۃ کے الفاظ صبح کے معنوں میں ہیں لیکن وہ لائے نہیں گئے۔ غرض جہاں یہ الفاظ شرعا ثابت و جائز نہیں وہیں لغوی اعتبار سے بھی صحیح نہیں لگتے۔ لہذا دل کی نیت اور قصد و ارادے پر اکتفاء کرنا ہی بہتر ہے۔ اور یہی ثابت بھی ہے۔

اور یوں بھی جب کوئی شخص رات کو ٹائم پیس کو چابی دے دیتا ہے' عورت سحری کے لئے آٹا وغیرہ تیار کر کے رکھ لیتی ہے اور چولہا ماچس سب دیکھ لیتی ہے تو یہ سارا اہتمام روزے کے لئے ہی تو ہے۔ اور قصد ارادہ کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ (خطبات مولانا مودودی ۔ روزہ طبع اسلامک پبلیکیشنز لاہور)

۳۔ نیت کا لغوی و شرعی معنی

اس مسئلہ کو اور بھی آسان طریقہ سے سمجھنے کے لئے لفظ نیت کے لغوی

معنی کا علم بہت ضروری ہے۔ لہٰذا آپ قاموس المحیط فیروز آبادی ' الصحاح للجوھری 'مختار الصحاح رازی یا دوسری کوئی بھی لغت کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں یا المنجد ہی کھول لیں۔ ن۔و۔ی کے مادہ سے بننے والے کلمات کے سلسلہ میں، نوی الشی کا معنی و مفہوم واضح کرنے لئے ای قصد و عزم علیہ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ملیں گے۔ کہ نوی الشی کا معنی کسی کام کا قصد و ارادہ اور اس کا عزم کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دل کے افعال ہیں نہ کہ زبان کے۔

رہا نیت کا شرعی معنی اس سلسلے میں اہل علم نے مختلف الفاظ سے ایک ہی بات کہی ہے۔ جو کہ حافظ ابن حجر کے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔ جو انہوں نے نیت کے شرعی مفہوم کو بیان کرنے کے لئے فتح الباری میں لکھے ہیں چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

الشرع خصصه بالارادة المتوجهة نحو الفعل لابتغاء رضاء الله و امتثال حكمه (فتح الباری ۱/ ۱۳)

شریعت نے نیت کے لفظ کو رضاء الٰہی کے لئے کسی کام کے ارادے کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔

تو گویا اعمال میں قلبی نیت (اور قصد و عزم) کا اعتبار ہوگا۔ زبان سے کہے ہوئے الفاظ خصوصا جبکہ وہ خود ساختہ ہیں معتبر نہیں ہیں۔ کبار ائمہ دین کی تصریحات سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ نماز' روزہ وغیرہ کی نیت کو زبان سے ادا کرنا خود ساختہ و من گھڑت فعل ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

فان الجهر بالنية لا يحب و لا يستحب لا فی مذهب ابی حنيفة و لا احد من آئمة المسلمين بل كلهم متفقون على انه لا يشرع الجهر بالنية و من جهر بالنية فهو مخطی للسنة باتفاق ائمه الدين

(فتاوی کبری ابن تیمیہ ۲/ ۳۷۵)

جہری (زبان سے) نیت نہ واجب ہے نہ مستحب۔ نہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں اور نہ ہی دیگر ائمہ اسلام میں سے کسی کے مذہب میں بلکہ وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ جہری نیت جائز نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خطاکار ہے اور مخالف سنت بھی۔ اور اس پر تمام ائمہ دین کا اتفاق ہے۔

اس کے علاوہ بھی شیخ الاسلام موصوف نے متعدد دیگر مقامات پر کئی سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے زبان سے نیت کرنے کے عدم جواز اور اس کی کراہت و بدعیت کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ:

محل النية القلب دون اللسان باتفاق آئمة المسلمين فى جميع العبادات

نیت کا مقام دل ہے نہ کہ زبان اور تمام ائمہ اسلام کا تمام عبادات میں ایسی ہی نیت کے بارے میں اتفاق ہے۔

نیت کے بارے میں امام ابن تیمیہ کے گراں قدر فتاوی کی تفصیل مطلوب ہو تو مجموعہ الفتاوی ابن تیمیہ جلد ۲۲ ص ۲۱۷ تا ۲۵۵ ملاحظہ فرمائیں۔

اور علامہ ابن قیمؒ نماز کے لئے زبان سے نیت کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان النبى ﷺ اذا قام الى الصلوة قال: الله أكبر و لم يقل شيئا قبلها و لا تلفظ بالنية البتة (زاد المعاد ۱/۲۰۱ بتحقيق الارناؤط طبع موسية الرسالة)

نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو صرف اللہ اکبر کہتے اس سے پہلے (نیت وغیرہ کے لئے) کچھ نہ کہتے تھے اور نہ ہی زبان سے نیت کے الفاظ نکالتے تھے۔

اور علامہ موصوف مروجہ نیت کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ یہ کسی صحیح تو کیا کسی ضعیف حدیث سے بھی اور مسند تو کیا کسی مرسل حدیث سے بھی نبی

ﷺ سے ثابت نہیں۔ بلکہ یہ تو صحابہ کرام میں سے بھی کسی سے منقول نہیں ہے اور نہ ہی تابعین اور ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اسے مستحسن کہا ہے۔

(حوالہ بالا ایضاً)

۴۔ مروجہ نیت اور علماء و فقہاء احناف

نماز یا روزہ کی نیت کے بارے میں یہ بات امام ابن تیمیہ و ابن قیم اور دیگر محققین علماء کے کہنے تک محدود نہیں بلکہ احناف بھی زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے کو معتبر شمار نہیں کرتے چنانچہ معروف حنفی عالم نماز کی نیت کے بارے میں لکھتے ہیں

شیخ عبدالحق دہلوی

مشکوۃ شریف کی فارسی شرح اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں:

علماء احناف در نیت نماز اختلاف کردہ اند بعد از اتفاق ہمہ بر آن بجہر گفتن آن نا مشروع است' تلفظ شرط صحت نماز است یا نہ ؟ صحیح آنست شرط نیست و مشروط دانستن آں خطا است۔

جہری انداز سے نیت کرنے کے غیر مشروع ہونے پر اتفاق کے بعد علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ زبان سے نیت کرنا نماز کی صحت کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ شرط نہیں اور اسے شرط جاننا غلط ہے۔

علامہ برہان الدین مرغینانی

فقہ حنفیہ کی معروف کتاب ہدایہ کے باب شروط الصلوۃ میں موصوف لکھتے ہیں:

و النیۃ ھی الارادۃ و الشرط ان یعلم بقلبہ ای صلوۃ یصلی اما الذکر باللسان فلا معتبر بہ

نیت ارادے کا نام ہے اور شرط یہ ہے کہ آدمی دل سے جانتا ہو کہ وہ

کونسی نماز پڑھ رہا ہے۔ رہا زبان سے نیت کرنا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

آگے چل کر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

و یحسبن ذلک لاجتماع عزیمة

کہ عزم کی پختگی کے لئے زبان سے نیت کرنا اچھی بات ہے۔

لیکن یہ ان کی ذاتی رائے ہے جو نیت کے لغوی و شرعی معنی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی لہذا ان کی پہلی رائے ہی قابل عمل ہے۔ جو لغت و شرع ہر دو اعتبار سے نیت کے معنی کے مطابق ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۱۳۹ میں لکھتے ہیں:

الاکتفاء بنیة القلب و هو مجزی اتفاقا و هو الطریقة المشروعة الماثورة عن رسول الله ﷺ و لم ینقل عن واحد منهم التکلم بنویت او انوی صلوة کذا فی وقت کذا

بالاتفاق دل سے نیت کر لینا ہی کفایت کر جاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی الله عنهم سے یہی طریقہ مسنون و منقول ہے۔ اور یہ کہنا کہ میں فلاں نماز کی فلاں وقت کی نیت کی یا نیت کرتا ہوں یہ کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی

حضرت مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات کے دفتر اول حصہ سوم مکتوب ۱۸۶ میں فرماتے ہیں:

وہمچنیں است آنچه علماء در نیت نماز مستحسن داشته اند باوجود ارادۂ قلب بازبان نیت باید گفت و حالانکه از آں سرور علیه

الصلاۃ و السلام ثابت نشدہ است نہ بر اویت صحیح نہ بروایت ضعیف و نہ از اصحاب کرامؓ و تابعین عظامؒ بازبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت می گفتند، تکبیر تحریمہ می فرمودند پس نیت با زبان بدعت باشد

ایسے ہی بعض علماء نے نماز کی نیت کے بارے میں کہا ہے کہ ارادہ دل کے باوجود بھی زبان سے نیت کر لینی چاہیے حالانکہ یہ بات نبی اکرم ﷺ سے کسی صحیح سند سے تو کیا کسی ضعیف سند سے بھی ہرگز ثابت نہیں ہے۔ اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظامؒ سے ثابت ہے کہ وہ زبان سے نیت کیا کرتے ہوں بلکہ جب اقامت کہتے تو تکبیر تحریمہ سے نماز کا آغاز فرما دیتے تھے لہٰذا یہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔

مولانا عبد الغفور رمضان پوری

مولانا عبد الغفور رمضان پوری حنفی فتاوی مفید الاحناف صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں:

لم یثبت عن رسول اللہ ﷺ بطریق صحیح و لا ضعیف انہ کان یقول عند الافتتاح اصلی کذا و لا عن احد من التابعین بل المنقول انہ اذا قام الی الصلوۃ کبر و ھذہ بدعۃ

نبی اکرم ﷺ سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ کسی صحیح سند سے اور نہ کسی ضعیف سند سے کہ آپ ﷺ نماز کے آغاز میں یہ کہتے ہوں کہ میں فلاں نماز پڑھنے لگا ہوں اور نہ ہی یہ صحابہ و تابعین میں سے کسی سے منقول ہے۔ بلکہ منقول یہ ہے کہ آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور یہ (مروجہ نیت) بدعت ہے۔

(الاعتصام لاہور ۱۲ رمضان ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۹ مارچ ۱۹۱۱ء)

مولانا اشرف علی تھانوی

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی مشہور عالم کتاب "بہشتی زیور" میں نماز کی شرائط کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ جس نماز کو بھی پڑھنا چاہیں اس کی نیت یعنی دل سے ارادہ کر لیا کریں زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں اور یہی بات حاشیہ میں بھی کہی گئی ہے۔ اور پھر متن کے اگلے مسئلہ کے تحت دو چار لفظوں پر مبنی مختصر نیت بھی بتائی گئی ہے۔ (بہشتی زیور ص ۱۳ طبع تاج کمپنی لاہور، کراچی راولپنڈی)

اور وہ بھی ان کی ذاتی رائے پر مبنی ہے۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ کے بارے میں بھی کہا گیا ہے۔

لمحہ فکریہ

علماء احناف کی کتب کے ان اقتباسات کا مفاد بھی یہی ہے کہ عبادات خصوصا نماز روزہ کی مروجہ نیت سراسر خانہ ساز ہے اور ان میں سے بعض نصوص صرف نمازی کی زبان سے نیت کے بارے میں ہیں جبکہ نماز کی طرح روزے کی نیت بھی ہے اور جس طرح نماز کے لئے یہ نیت کرنا ثابت نہیں کہ میں نے فلاں نماز کی اتنی رکعتوں کی اور فلاں رکعتوں کی نیت کی اور اس نماز کے قبلہ رو ہو کر پڑھنے اور امام کی اقتداء میں یا انفرادی طور پر پڑھنے کی صراحتیں منقول نہیں ہیں بالکل اسی طرح ہی روزے کی نیت و بصوم غدا نویت من شہر رمضان بھی قطعا ثابت نہیں بلکہ یہ جعلی و بناوٹی اور خانہ ساز و من گھڑت چیز ہے۔

اور تعجب ہے ان لوگوں پر جو اس قسم کی محققانہ تصریحات کے باوجود معلوم نہیں کس ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ کہ خود بھی بصوم غدا کی رٹ لگائے چلے جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی ٹیڑھی راہ پر چلنے کی رغبت دلاتے نہیں تھکتے ولا حول و لا قوۃ الا باللہ

شرعا و نقلا یہ مروجہ نیت ثابت نہیں اور عقلا بھی یہ ایک بے معنی سی

بات ہے کہ جب رات کو ٹائم پیس کے الارم کو چابی بھر دی' چولھے میں تیل ڈال دیا' پاس ماچس یا لائٹر وغیرہ رکھ دیا اور صبح کے روزے کی مکمل تیاری کرلی ہے تو پھر اب منہ سے ضرور مروج الفاظ کہے گا ہی تو بات بنے گی ؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ پھر یہ تو ایسے ہی ہوگا کہ کوئی شخص کھانا کھاتے وقت کہے کہ میں یہ اس لئے کھا رہا ہوں تاکہ میری بھوک اتر جائے اور میرا پیٹ بھر جائے۔

یا کپڑا پہنتے وقت کہے کہ میں یہ کپڑا پہنتا ہوں تاکہ میرا جسم سردی یا گرمی سے بچ جائے اور میرا ستر بھی ڈھک جائے۔ (خطبات مولانا مودودی روزہ)

غرض ان خود ساختہ الفاظ کی بجائے صرف دل سے قصد و ارادے پر ہی اکتفاء کرنا چاہیے اور لغت و شرع کی رو سے اسی کا نام نیت ہے جو کہ تمام اعمال میں مطلوب ہے۔

۵۔ سحری کھانے کی برکت اور تاکید

سحری کھانا مستحب عمل اور باعث برکت ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں متعدد احادیث ثابت ہیں جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے:

تسحروا فان فی السحور برکۃ (مشکوۃ ۱ر۶۱۹ المنتقی مع النیل ۲ر ۴ر۲۲۱' صحیح الجامع ۲ر۳ر۴۰ الفتح الربانی ۱۰ر۱۴)

سحری کھاؤ کیونکہ سحری کھانا باعث برکت ہے۔

یہ حدیث صحیحین' سنن ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور مسند احمد میں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اور مسند احمد میں یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (انظر الصحیح الجامع ایضا)

اور نبی ﷺ نے تو اہل کتاب کے روزوں اور مسلمانوں کے روزوں میں وجہ امتیاز ہی سحری کھانے کو قرار دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم' ابوداؤد' ترمذی'

نسائی، مسند احمد اور ابن خزیمہ میں ہے:

فصل ما بین صیامنا و صیام اھل الکتاب أکلۃ السحر
(حوالہ جات بالا و الفتح ۱۰؍۱۷)

ہمارے اور اہل کتاب (یہود و نصاری) کے روزوں کے مابین سحری کھانے کا ہی فرق ہے۔

لہٰذا بعض لوگ جو افطاری سے نصف شب تک کچھ نہ کچھ کھاتے پیتے ہی رہتے ہیں اور سحری کے وقت کچھ کھائے پئے بغیر ہی سو جاتے ہیں کیونکہ اس وقت ان کے پاس کچھ کھا سکنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ ان کا یہ طریقہ کار قطعاً خلاف سنت ہے اور روزہ کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث ہے اور ایسا کرنے سے روزے کا اصل مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روزہ طبی نقطہ نظر سے بھی بہت سے فوائد لاتا ہے بشرطیکہ معدے پر مہینہ بھر کے لئے کچھ تخفیف رہے۔ لیکن اگر دن کی کسر رات کو اس حد تک نکال لی جائے کہ سحری کے وقت چند لقمے بھی نہ کھا سکے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ آدھا دن کھٹی ڈکاریں مارتا پھرے گا۔ اور حصول صحت تو کیا، بیزاری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا زیادہ نہیں تو چند لقمے ہی سہی سحری کے وقت کچھ نہ کچھ ضرور کھانا چاہیے تاکہ سنت پر عمل ہو جائے اور خیر و برکت حاصل ہو۔

سحری کھانے کی تاکید کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ سنن سعید بن منصور میں ہے:

تسحروا ولو بلقمۃ (السبل ۲؍۴؍۲۲۲)

سحری کھاؤ چاہے صرف ایک لقمہ ہی کیوں نہ ہو۔

اور بعض دیگر احادیث میں پانی سے سحری کرنے اور اس کے بھی کم از کم ایک گھونٹ پینے کا ذکر وارد ہوا ہے۔ چنانچہ تاریخ دمشق لابن عساکر میں حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تسحروا ولو بالماء (صحیح الجامع ۲/ ۳/ ۴۱)

سحری کھاؤ چاہے پانی سے ہی کیوں نہ ہو۔

اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مسند احمد اور المختار للضیاء میں حضرت ابو سعید سے مسند ابو یعلی میں حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تسحروا ولو بجرعة من ماء (صحیح الجامع ایضا و النیل ۲/ ۴/ ۹۹۸ الفتح الربانی ۱۰/ ۱۵ ـ ۱۶)

سحری کھاؤ چاہے وہ صرف ایک گھونٹ پانی کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔

اور سحری میں کوئی بھی حلال چیز کھائی جا سکتی ہے۔ کوئی پابندی نہیں البتہ ابوداؤد میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی ہے:

نعم سحور المومن التمر

(صحیح ابوداؤد للالبانی ۲/ ۴۴۶ مشکوۃ ۱/ ۶۲۲)

مومن کی بہترین سحری کھجور ہے۔

اس حدیث میں سحری کے وقت بھی کھجور کھانے کی ترغیب دلائی گئی ہے لہٰذا اگر محض کھجور کے ساتھ ہی سحری کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم کھانے کے ساتھ چند دانے کھجوریں ضرور کھا لینی چاہیں۔ تاکہ اس ارشاد نبوی کی تعمیل کا ثواب حاصل ہو۔ البتہ یہ ضروری بھی نہیں۔

۶۔ سحری کا وقت

سحری کھاتے رہنے کا وقت کب تک ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے سورۃ بقرۃ آیت ۱۸۷ میں یہ اصول بتایا ہے:

وکلوا و شربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر

اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ (رات کے) سیاہ دھاگے سے صبح کا سفید دھاگہ

(سپیدہ) نمودار ہو جائے۔

اور اس کی تفسیر کتب حدیث میں بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم' ابوداؤد اور مسند احمد میں حضرت عدی بن حاتم طائیؓ بیان فرماتے ہیں کہ (ایک رات) میں نے سفید اور سیاہ دو دھاگے (یا عقال) لئے اور انہیں اپنے تکئے کے نیچے رکھے دیکھتا رہا لیکن مجھے سیاہ و سفید دھاگے کا فرق معلوم نہ ہو سکا۔ تو میں نے (صبح) یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں ذکر کی۔ تو آپ مسکرانے لگے اور فرمایا:

یا ابن حاتم ان وسادتک اذا لعریض انما ذاک بیاض النهار من سواد الليل (الفتح الربانی ۱۰/۱۹، ۱۸/ ۸۱، ۸۲)

اے ابن حاتم ! تب تو تمہارا تکیہ بہت بڑا ہوگا۔ (جس کے نیچے دن اور رات آگئے) سفیدی و سیاہی سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی ہے۔

اور جس طرح یہاں (عرب ریاستوں میں) ہم فجر کے وقت دو آذانیں سنتے ہیں ایک جگانے کی اور کھانے کی اور دوسری سحری بند کرنے اور وقت نماز فجر کی ایسے ہی عہد نبوت اور دور خلفاء و صحابہ میں بھی ہوتا تھا جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ و صحیح ابن حبان' ابن المنذر اور مسند احمد اور دیگر کتب حدیث میں آیا ہے۔ اور پہلی اذان حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جو کہ نابینا تھے اور دوسری اذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جو کہ معروف موذن رسول ﷺ تھے اور بعض دیگر احادیث میں اس کے برعکس بھی آیا ہے کہ پہلی اذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ دوسری ابن ام مکتوم کہا کرتے تھے۔ (رضی اللہ عنہما) اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کئی طرح سے ان دونوں طرح کی احادیث میں جمع و موافقت پیدا کی ہے۔ مثلا امام ابن خذیمہ اور ضبعی نے لکھا ہے کہ وہ دونوں باری باری پہلی اور دوسری اذان کہا کرتے تھے لہذا یہ دونوں طرح کی احادیث ہی صحیح ہیں۔ اور امام ابن حبان نے یہ احتمال جزما بیان کیا ہے مگر حافظ ضیاء

المقدسی نے ان کے جزم پر ان کا تعاقب کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں پہلی اور دوسری اذانیں باری باری نہیں کہا کرتے تھے بلکہ ان کا اذان اول و ثانی کہنا دو الگ الگ حالتوں میں تھا۔ شروع شروع میں پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہا کرتے تھے اور پھر بعد میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلی اذان کہتے رہے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دوسری (الفتح الربانی ۱۰/۳۱-۳۲)

بہرحال ہر دو اذانوں سے پہلی جگانے اور کھانے کے لئے تھی اور دوسری سحری کھانے سے رک جانے کے لئے تھی۔ چنانچہ ابن حبان و ابن خزیمہ، ابن المنذر اور مسند احمد میں ہے:

اذا اذن ابن مکتوم فکلوا و اشربوا و اذا اذن بلال فلا تاکلوا و لا تشربوا (الفتح الربانی ۱۰/۲۷)

جب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان کہیں تو کھاؤ پیو اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہہ دیں تو کھانا پینا بند کر دو۔

جبکہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان بلالا یوذن بلیل فکلوا و اشربوا حتی یوذن ابن ام مکتوم (بحوالہ بالا ۱۰/۲۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کے وقت اذان کہتے ہیں لہٰذا ان کی سن کر کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان نہ کہہ دیں۔

معلوم ہوا کہ نماز فجر اذان ہونے تک سحری کا وقت رہتا ہے۔ اور اسی موضوع کی بعض دیگر احادیث بھی ہیں جن میں سے مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابن خزیمہ، معانی الآثار، طحاوی، دار قطنی، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہ سے اور ابوداؤد و ترمذی میں طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے اور دیگر کتب حدیث میں دیگر صحابہ سے مروی ہیں۔ (انظر الارواء) اور صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد سمیت بعض دیگر کتب حدیث میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا اور پھر مسجد کی طرف نکلے تو نماز کی اقامت ہو گئی۔ راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

کم کان بینهما

سحری کھانے اور اقامت ہونے کے درمیان کتنا وقفہ تھا۔

انہوں نے جواب دیا:

قدر ما یقرأ الرجل خمسین آیة (بحواله الفتح ایضاً ۱۰/ ۲۸)

اس قدر کہ جس میں کوئی شخص پچاس آیتوں کی تلاوت کر سکے۔

اور سحری کے آخر وقت کا اندازہ اس حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے جو کہ ابوداؤد میں ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا سمع النداء احدکم والاناء فی یده فلا یضعه حتی یقضی حاجته منه (مشکوۃ ۱/ ۶۲۰ و صححه الالبانی)

جب تم میں سے کوئی شخص اذان سنے اور اس کے ہاتھ میں پانی کا برتن ہو تو وہ اس وقت تک برتن ہاتھ سے نہ رکھے جب تک کہ حسب طلب پی نہ لے۔

اور بعض احادیث میں سحری تاخیر کر کے کھانے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور اسے سنت انبیاء کا درجہ دیا گیا ہے۔ اور اس امت کی خیر و بھلائی کا ایک راز بھی اسے ہی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ان احادیث پر کچھ کلام کیا گیا ہے اور چونکہ صحیح تر حدیث میں صرف افطاری میں جلدی کرنے پر یہ خیر و بھلائی وارد ہوئی ہے لہذا سحری موخر کرنے والی حدیث کو "منکر" شمار کیا گیا ہے۔ (الارواء ۴/ ۲۳)

البتہ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ افطاری میں جلدی اور سحری میں تاخیر کا پتہ دینے والی احادیث صحیح اور حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (نیل الاوطار ۳ / ۵ / ۲۲۶ طبع مکتبۃ المعارف الریاض اور مصنف ابن عبدالرزاق میں عمرو بن میمون سے مروی ہے:

کان اصحاب محمد ﷺ اسرع الناس افطارا و ابطاھم سحورا (بحوالہ بالا صححہ الحافظ)

نبی ﷺ کے صحابہ تمام لوگوں سے جلدی روزہ افطار کرنے والے اور سحری کھانے میں تاخیر کرنے والے تھے۔

اور شیخ احمد البناء نے کہا ہے کہ افطار میں جلدی کرنے اور سحری میں تاخیر کرنے کی سنیت مشروعیت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ اور کسی کا اس سے اختلاف میرے علم میں نہیں ہے۔ (بلوغ الامانی فی شرح فتح الربانی ۱۰ / ۱۴)

۷۔ باعث عبرت

یہ بات ہمارے لئے باعث عبرت ہے اور آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو رات بھر تو محض اس لئے جاگتے رہتے ہیں کہ کہیں سوئے نہ رہ جائیں اور سحری کا وقت ہی گزر جائے اور پھر جونہی تین بجے رات کے قریب پہلی اذان کہی جاتی ہے تاکہ لوگ اٹھیں اور سحری وغیرہ پکائیں وہ اتنے تک کھا پی کر سو بھی جاتے ہیں ان کا یہ طریقہ کار غلط اور خلاف سنت ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ گھنٹوں پہلے سحری سے فارغ ہو جانے کی بجائے مسنون طریقہ اپنائیں۔

ان کے اس غیر مسنون طریقہ کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ وقت سے کافی پہلے جب سحری کھا کر لیٹے ہیں تو سستی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ رتجگے کا اثر بھی ہوتا ہے۔ اور شیطان لعین تھپکیاں بھی دیتا ہے کہ ابھی تو اقامت نماز میں کافی وقت ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آنکھ لگ گئی۔ اولا تو نماز ہی گئی یا پھر کم از کم جماعت کا ہاتھ سے نکل جانا تو معمولی بات ہے جبکہ یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ جو کہ

نتیجہ ہے بلکہ نحوست ہے سنت کی خلاف ورزی کی۔

افطاری کے مسائل

ا۔ افطاری میں جلدی کرنا

متعدد احادیث تو ایسی ہیں جن میں سحری میں تاخیر کرنے اور افطاری میں جلدی کرنے کا حکم آیا ہے۔ جن کیطرف ہم اشارہ کر آئے ہیں جبکہ بخاری و مسلم، ترمذی و ابن ماجہ، بیہقی و دارمی اور مسند احمد میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر

لوگ اس وقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک (غروب آفتاب کے بعد) افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے۔

اور حلیۃ الاولیاء ابونعیم اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث کے الفاظ ہیں:

لا تزال امتی بخیر ما عجلوا الفطر (الارواء ۴ / ۳۲ - ۳۳، مشکوۃ ۱ / ۶۱۹، المنتقی مع النیل ۳ / ۵ / ۲۲۶ طبع مکتبۃ المعارف الریاض)

میری امت کے لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ وہ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے۔

اور اس بات پر پوری امت کے ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ روزے کا وقت غروب آفتاب کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا غروب شمس کا یقین ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیے (الفتح الربانی ۱۰ / ۵ نقلا عن ابن عبدالبر) اور بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی و نسائی اور مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے:

اذا اقبل اللیل من ھھنا ادبر النہار من ھھنا و غربت الشمس فقد افطر الصائم (مشکوۃ ۱ / ۶۱۹ الفتح الربانی ۱۰ / ۵ المنتقی مع النیل ۳ /

۲ / ۲۲۶ مکتبہ المعارف الریاض)

جب ادھر سے رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار کو روزہ کھول لینا چاہیے۔

۲۔ افطاری میں تاخیر پر وعید

اور افطاری میں بلا وجہ تاخیر کرنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ اور اس فعل کو یہود و نصاریٰ کا فعل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یزال الدین ظاہرا ما عجل الناس الفطر لان الیہود و النصاری یوخرون (مشکوۃ ۱ / ۱۷۲ الفتح الربانی ۱۰ / ۶)

دین اسلام اس وقت تک غالب رہے گا جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ افطاری میں تاخیر کرتے ہیں۔

ان تمام ارشادات رسول ﷺ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سورج کے غروب ہوتے ہی (یعنی مساجد میں اذانیں شروع ہوتے ہی) روزہ افطار کر لینا چاہیے اور تاریکی پھیلنے یا اندھیرا چھانے اور ستارے نظر آنے کا انتظار کرنا اور پھر روزہ افطار کرنا یہود و نصاریٰ کی عادت اور نبی ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔

۳۔ افطاری کے لئے مسنون اشیاء

روزہ کسی بھی پاک و حلال چیز سے افطار کیا جا سکتا ہے اس میں کوئی پابندی یا سختی نہیں ہے البتہ روزہ افطار کرنے کے لئے افضل اشیاء کی ترتیب یہ ہے کہ کھجور یا چھوارے سے افطار کریں اور اگر یہ میسر نہ آسکیں تو پھر پانی سے افطار کر لیں۔ یا کوئی چیز کھالیں۔ کیونکہ ابوداؤد و ترمذی' ابن ماجہ' دارمی' ابن حبان

و مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی ہے:

اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانہ برکۃ فان لم یجد فلیفطر علی ماء فانہ طہور (مشکوۃ ۱ ر ۱۷۲ الفتح الربانی ۱۰ ر ۷ ـ ۸' المنتقی مع النیل ۳ ر ۵ ر ۲۲۷)

تم میں سے جب کوئی روزہ افطار کرے تو اسے چاہیے کہ کھجور سے افطار کرے کیونکہ یہ باعث برکت ہے۔ اور اگر وہ میسر نہ ہو تو پانی سے کرے کیونکہ پانی پاک کر دینے والا ہے۔

اور ابوداؤد' ترمذی و مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

و کان النبی یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن فتمرات فان لم تکن تمیرات حسی حسوات من ماء (مشکوۃ ایضا)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے اور اگر تازہ کھجوریں میسر نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں (چھوہاروں) سے افطار کرتے اور اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرماتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ افطار کرنے میں:

۱۔ افضل یہ ہے کہ تازہ کھجوریں ہوں۔
۲۔ تازہ کھجوریں نہ ہوں تو خشک کھجوریں یا چھوہارے ہوں۔
۳۔ اگر وہ بھی دستیاب نہ ہوں تو پانی سے افطار کریں۔

اور یہ جو عوام الناس میں معروف ہے کہ کھجوریں نہ ہوں تو نمک سے روزہ افطار کرتے ہیں۔ ہمیں اس بارے میں کوئی روایت کسی معتبر کتاب میں نہیں ملی ممکن ہے کئی دیگر مسائل کی طرح یہ بھی خانہ ساز ہو۔

۴۔ افطاری کی دعاء

روزہ افطار کرتے وقت کی کئی ایک دعائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

ہیں۔ مثلا ابوداؤد، بیہقی، ابن ابی شیبہ ابن سنی زید ابن المبارک میں معاذ بن زہرہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعا کیا کرتے تھے:

اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت (الارواء ۴/ ۳۸، المنتقی ۳/ ۵/ ۲۲۷ مشکوۃ ۱/ ۶۲۱ التلخیص ۱/ ۲/ ۲۰۲)

اے اللہ! میں نے تیری رضا کے لئے روزہ رکھا اور تیرے عطاء کردہ رزق سے ہی افطار کیا۔

معاذ بن زہرہ نے نبی ﷺ کو نہیں پایا لہذا امام شوکانی نے اسے مرسل کہا۔ جبکہ شیخ البانی نے بھی اسے مرسل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

و لکن لہ شواھد یقوی بھا (تحقیق مشکوۃ ۱/ ۶۲۱)

لیکن اس کے شواہد موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے اس کی سند تقویت اختیار کر جاتی ہے۔

امام شوکانی نے ان شواہد کی نشاندہی نیل الاوطار میں کر دی ہے۔ جبکہ ابوداؤد و نسائی فی السنن الکبری، دار قطنی، مستدرک حاکم، عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی اور بعض دیگر کتب حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکورہ بالا دعا کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں۔

ذھب الظماء و ابتلت العروق و ثبت الاجر ان شاء اللہ (الارواء ۴/ ۳۹ التلخیص ۱/ ۲/ ۲۰۲ و مشکوۃ ۱/ ۶۲۱ و حسنہ و النیل ۳/ ۵/ ۲۲۸ و نقل شوکانی تحسین الدارقطنی لہ)

اور یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہمارے یہاں جو خالص تجارتی و اشتہاراتی قسم کی چھوٹی چھوٹی کتب، کیلنڈروں اور ڈائریوں وغیرہ میں دعاء افطار لکھی ہوتی ہے اور مروج ہے اس میں اللھم لک صمت و علی رزقک افطرت کے الفاظ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ لہذا جتنے الفاظ ثابت ہیں

انہی میں برکت ہے۔ ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگا کر مسنون دعا کو مصنوعی نہیں بنا لینا چاہیے۔

وقت افطار۔ وقت قبولیت

دعا کی قبولیت کے مختلف اوقات اور مقامات ہیں ان میں سے ایک وقت ' " وقت افطار " بھی ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ عمل الیوم و اللیلۃ ابن السنی ' مستدرک حاکم اور تاریخ دمشق ابن عساکر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مرفوعا مروی ہے:

ان للصائم عند فطرہ دعوۃ لا ترد (الارواء ۴ / ۴۱ ' الفتح الربانی ۱۰ / ۱۱ شرح النیل ۲ / ۴ / ۲۲۱ التلخیص ۱ / ۲ / ۲۰۳ زاد المعاد ۲ / ۵۲ بتحقیق الرناؤط)

افطاری کے وقت کی گئی روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

ارواء الغلیل میں شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور کافی تفصیلی بحث کی ہے اور آخر میں اس کی ایک شاہد حدیث بھی نقل کی ہے۔

(للتفصیل الارواء ۴ / ۴۱ - ۴۵) بلوغ الامانی شرح فتح الربانی میں شیخ احمد البناء نے اسے نقل کر کے لکھا ہے کہ امام بو صیری نے زوائد ابن ماجہ (مصباح الزجاجہ) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے کیونکہ اسحاق بن عبداللہ بن حارث کے تمام رواۃ بخاری کی شرط پر پورے اترنے والے ہیں۔ جبکہ اس راوی کے بارے میں امام نسائی نے لیس بہ باس کہا ہے۔ ابو زرعہ نے ثقہ کہا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی ثقہ رواۃ میں شمار کیا ہے۔ (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ۱۰ / ۱۱)

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس حدیث کو صیغہ تمریض و تضعیف (یذکر) کے بعد نقل کیا ہے۔ جس سے ان کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ جبکہ زاد المعاد کے محققین شعیب الارناووط اور شیخ عبدالقادر الارناؤوط نے مذکورہ ایک

راوی کے سوا سب کو شرط بخاری پر پورے اترنے والے قرار دیا اور اسے ابن حبان کے ثقات میں سے بتایا ہے۔ اور اس کی دو شاہد احادیث بھی نقل کی ہیں جن میں سے ایک المختار للضیاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ہے:

ثلاث دعوات لا ترد دعوة الوالد لولده و دعوة الصائم و دعوة المسافر (تحقیق الزاد)

تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں: والد کی دعا اس کے بیٹے کے لئے، روزہ دار کی دعا اور مسافر کی دعا۔

جبکہ دوسری شاہد ترمذی و ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے:

ثلاث لا ترد دعوتهم الصائم حين يفطر و الامام العادل و الدعوة المظلوم

تین قسم کے لوگوں کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ افطار کے وقت روزے دار کی دعا، عادل حاکم کی دعا اور مظلوم کی دعا۔

اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے حسن کہا ہے۔ (تحقیق زاد المعاد ۲ / ۵۲)

اور اگر ان دو شاہد احادیث کو بھی شامل کر لیں جس میں ہے:

للصائم عند افطار دعوة مستجابة

افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

فكان عبدالله بن عمرو اذا افطر دعا اہله و ولده و دعا

(الارواء ۴ / ۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جب روزہ افطار کرنے لگتے تو اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے سب مل کر دعا کیا کرتے تھے۔

تو اس طرح ان تین شواہد کے ساتھ مل کر افطار کے وقت قبولیت دعا کا وقت ہونے کا پتہ دینے والی حدیث کچھ تقویت اختیار کر جاتی ہے۔

۶۔ روزہ افطار کرانے کا ثواب

کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرانا بہت بڑا ثواب ہے۔ یہاں تک کہ ترمذی و ۲نسائی' ابن حبان ' ابن ماجہ ' مسند ابن خزیمہ میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے:

من فطر صائما کتب له مثل اجر الصائم لا ینقص من اجر الصائم شی (الفتح الربانی ۱۰ر۱۰)

جس نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا اسے (افطار کرانے کا) اتنا ہی ثواب ہوگا جتنا خود روزہ دار کو ہوگا اور روزہ دار کے ثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

اس حدیث سے پرانے خیالات کے لوگوں کا وہ نظریہ بھی غلط ثابت ہوا جو سمجھتے اور کہتے ہیں کہ کسی کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار نہیں کرنا چاہیے ورنہ سارا ثواب وہ لے جائے گا۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ روزہ دار کسی کا روزہ افطار کرانا چاہے تو اس کے ہاں افطار کرنے سے پہلوتہی نہیں کرنی چاہیے جبکہ اپنا کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا' بلکہ بعید نہیں کہ اسے ثواب کا موقع مہیا کرنے کی نیک نیتی پر مزید اجر و ثواب بھی ملے کیونکہ اللہ کے خزانوں میں بھلا کیا کمی ہے۔

اس ثواب کو پانے اور افطار کرانے کا یہ بھی مطلب نہیں کہ کسی کو پیٹ بھر کر ہی کھانا کھلائیں گے تو افطار کرانے کا ثواب ملے گا۔ نہیں' شکم سیر کرانے پر تو واقعی یہ ثواب ہے اور اگر کسی میں طاقت و استطاعت نہیں کہ وہ کسی کو ایک وقت کا پورا کھانا کھلا سکے تو وہ ایک لقمہ ہی کھلا دے۔ کھجور کا ایک دانہ دے دے۔ دودھ کا ایک گھونٹ ہی پلا دے حتی کہ پانی کا چلو ہی پلا دے تب بھی نیت و استطاعت کے اعتبار سے اسے افطار کرانے کا ثواب ملے گا۔ اس بات کا

باقی صہ ۵ پر